اسلام میں اشتراکیت

(از جناب مولانا عبداللہ العمادی)

اللہ کو شرک پسند نہیں، عبداللہ کو اسی لیے شرکت تک سے کراہت ہے۔ لیکن "اشتراک" اگرچہ "شرک" ہی ہے بایں ہمہ خود شرک سے ہر جگہ شرک باللہ ہی مراد نہیں۔ اپنے حصے کی زمین کسی کاشتکار کو نصف یا ثلث پیداوار کے معاہدہ پر دینے کو بھی شرک کہتے تھے۔ معاذؓ بن جبل کی حدیث میں ہے کہ انہ اجاز بین اھل الیمن الشرک۔ عمرؒ بن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ ان الشرک جائز۔ محدثین نے اس کے معنی اشتراک فی الارض لیے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الناس شرکاء فی ثلاثٍ، "تین چیزوں میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں"، الکلاء، والماء، والنار "جانوروں کے علف میں، پانی میں، اور ایندھن میں"۔ محدثین اس کے لیے اصول قرار دیتے ہیں کہ کل عفو غیر مملوکٍ فالناس فیہ مستوون، "فالتو چیز جو کسی کی ملکیت نہ ہو اس میں سب برابر ہیں"۔

تہذیب فرنگ نے اشتراکیت کو آجکل ایک مخصوص مذہب بنا رکھا ہے یہ مذہب کیا ہے اور کیسا ہے؟ اس سے یہاں بحث نہیں۔ عبداللہ کا مبلغ اسی حد تک ہے جہاں تک شریعت الٰہی میں آثار مل سکیں۔

جائز اشتراکیت کی استواری میں "زکاۃ" کو بڑا دخل ہے۔ واصل الزکاۃ: الطھارۃ والنماء، والبرکۃ، والمدح۔ زکا کے اصل معنے ہیں پاکیزگی، افزایش، برکت، ممدوح بنانا۔ وکل ذلک قد استعمل فی القرآن والحدیث۔ قرآن و حدیث میں یہ تمام معانی استعمال ہوئے ہیں

فالزکاۃ تطہیرٌ للمال، وتثمیرٌ واصلاح، ونماء - زکاۃ مال کو طاہر کر دیتی ہے، پیداوار بڑھاتی ہے، صلاحیت لاتی ہے، اور دولت کو قابلِ نشوونما بناتی ہے -

وعن علقمۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم: ان من تمام اسلامکم ان تؤدوا زکاۃ اموالکم " تمہارے اسلام کی تکمیل اسی میں ہے کہ مال کی زکاۃ دو "

وعن انسٍ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم: اخرج الزکاۃ من مالك، فانھا طھورٌ یطھرك اللہ وتصل وتعرف حق السائل والجار والمسکین ولا تبذر تبذیرا " مال کی زکاۃ نکالو، اس کے ذریعہ اللہ تمہیں پاک کریگا، صلہ رحم کی توفیق دیگا، سائل اور ہمسایہ اور مسکین کی حق شناسی ہوگی، لیکن اسراف نہ کرنا، ہرگز نہ کرنا "

وعن بریدۃ: ما منع قومٌ الزکاۃ الا ابتلاھم اللہ بالسنین " جس قوم نے زکاۃ روک دی اللہ تعالیٰ نے اسکو قحط و تنگدستی میں مبتلا کر دیا "

وعن ابن عمر: لا یقبل اللہ الایمان والصلاۃ الا بزکاۃ " بدون زکاۃ دیے اللہ تعالیٰ نہ ایمان کو قبول کرتا ہے نہ نماز کو "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ بن جبل کو یمن روانہ کر رہے ہیں، ہدایت یہ ہے کہ انك تاتی قوماً اھل الکتاب، تم ایک ایسی قوم میں جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں، فادعھم الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ، انھیں لا الہ الا اللہ کی دعوت دو اور میرے رسول اللہ ہونے کا اقرار لو، فان ھم اطاعوك لذلك فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ، اگر وہ مان لیں تو کہو کہ اللہ تعالیٰ نے شب و روز میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، فان ھم اطاعوك لذلك فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ فی اموالھم تؤخذ من اغنیائھم وترد فی فقرائھم، اسکو بھی مان لیں تو کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر مال کی زکاۃ فرض کی ہے کہ دولتمندوں سے لی جائے

اور حاجتمندوں کو دی جائے، فان اطاعوك فایاك وکرائم اموالھم، یہ سب کچھ مان لیں تو خبردار ان کے منتخب مال پر دست درازی نہ کرنا، واتق دعوۃ المظلوم فانھا لیس بینھا وبین اللہ حجاب، مظلوم کی بددعا سے بچو، اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔

ولما توفی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واستخلف ابوبکر بعدہ وکفر من کفر من العرب قال عمر بن الخطاب لابی بکر: کیف نقاتل الناس وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ، فمن قال لا الٰہ الا اللہ عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ، وحسابہ علے اللہ"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رفیق اعلیٰ سے جاملے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت کے جانشین ہوئے، بہتیرے عرب کافر ہوگئے، تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبرؓ سے پوچھا کہ جو لوگ کلمۂ طیبہ کے قائل ہیں آپ ان سے کیسے لڑینگے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا کہ "مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہوجائیں، جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو اس کا مال اور اسکی جان بچ گئی، بجز حقوق کے کہ ناگزیر ہیں، اسکا حساب اللہ پر ہے"۔

فقال ابوبکر: واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ، فان الزکاۃ حق المال، واللہ لومنعونی عقالا کانوا یؤدونہ الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علے منعہ۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نماز اور زکاۃ کے درمیان جس نے تفریق کی اللہ شاہد ہے کہ میں تو اس سے ضرور لڑونگا۔ زکاۃ تو بیت المال کا حق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اگر سال بھر کا ایک بچہ پیش کرتے رہے ہوں اور مجھے نہ دیں تو ایسی حقیر شے کے روک رکھنے پر بھی اللہ شاہد ہے کہ میں لڑونگا۔

قال عمر بن الخطاب: فواللہ ماھو الا ان رأیت اللہ قد شرح صدر ابی بکر

للقتال، فعرفت انہ الحق۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کا سینہ فراخ کر دیا تھا، شرح صدر فرمایا تھا کہ لڑنا ضروری ہے، اب میں سمجھا کہ حق وہی تھا جو ابوبکرؓ کہتے تھے۔

ان روایات و آثار کے زیر سایہ اب اصل مبحث پر نظر کیجیے۔

اصولِ تعاون

هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ، وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ، ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ۔

تم لوگ سن رکھو کہ تمہیں راہ خدا میں خرچ کرنے کو بلایا جا رہا ہے۔ اس پر بھی تم میں ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں، اور جو بخل کرتا ہے تو حقیقت میں خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو تمہارے سوا دوسرے لوگوں کو لا بٹھائیگا، پھر وہ تم جیسے نہ ہونگے۔

قانون قدرت کا فیصلہ یہ ہے کہ دنیا میں وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے جسے اپنی زندگی کے وسائل فراہم کرنے کی توفیق ملی ہو۔ بابل کی عظیم الشان سلطنت کو یاد کرو۔ اس کے حیرت خیز تمدن کو دیکھو۔ دنیا کی وہ مشہور ترین قوم جس نے اپنی کلوں اور ایجادوں اور علم و فضل و تہذیب و شائستگی کے ذرائع سے عراق کو نمونہ بہشت بنا رکھا ہو، جسکی عجیب و غریب مدنیت نے اس لق و دق میدان میں، جو آج ناحیہ کوفہ کا میدان مشہور ہے، تمدنی و عمرانی حیثیتوں سے لندن اور پیرس کے عجائب جمع کر رکھے ہوں، جسکے باغ آویزاں اور جسر لرزاں کی نظیر چار ہزار برس گذرنے پر بھی زمانہ پیش نہ کر سکا، جسکی رفعت و شان و سربلندی کے افسانے آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہوں، اتنی بڑی اولوالعزم قوم کی ایسی شاندار ترقیاں کسطرح خاک میں مل گئیں کہ آج اس دنیا میں اس قوم کا ایک فرد بھی موجود نہیں۔ سلطنتیں قائم ہوتی ہیں اور مٹ جاتی ہیں۔ تمدن کے جھونکے آتے بھی ہیں اور چلے بھی جاتے ہیں۔ ترقی کا میدان وسیع بھی ہوتا ہے

اور تنگ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ تنزل اور خود فراموشی کی انتہائی مصیبتیں بھی کسی قوم کو یکبارگی فنا کر دینے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں۔ آریوں نے باختر سے نکل کر ہندوستان کا رُخ کیا اور قدیم ترین زمانے کے ہندوستانی باشندوں کو جنہیں عرف عام میں غیر آریہ کہا جاتا ہے، ان کے گھروں سے بیدخل ہی نہ کیا بلکہ اپنی بہترین طاقتوں کی کوششیں اس پر مرکوز کر دیں کہ جس طرح بھی ہو سکے یہ قوم مٹ جائے۔ یہ جابرانہ حملے اب تک جاری ہیں۔ مگر اتنے بڑے مقابلے میں بھی یہ وحشی قوم ہمت نہ ہاری اور آریوں کو اسکے فنا کر دینے میں تین ہزار برس کی طویل صدیاں بھی مدد نہ دے سکیں۔ آج بھی پہاڑوں کے دامن میں اس قوم کی یادگاریں بھیل، گونڈ، بھر کے نام سے ہندوستان پر اپنی قوم کی ملکیت کا ثبوت دینے کے لیے موجود ہیں۔ پھر کیا بات ہوئی کہ ان پیہم سخت گیریوں پر بھی اس وحشی قوم سے تو اب تک دنیا خالی نہیں ہوئی، اور وہ قوم ایسی مٹی کہ زمانے میں اس نسل کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہا؟

اس عقدے کو حل کرنے کے لیے قیاسات کے دامن میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں۔ واقعات پر غور کرنے سے یہ راز خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ موسیو مورگن نے آثار قدیمہ کی تلاش میں بابل اور نینوئی کی قدیم یادگاروں کا ایک بڑا ذخیرہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ اینٹ اور پتھر کی سلوں پر خط تصویر میں صدہا کتابے ملے ہیں جن کا ترجمہ علمائے آثار نے کئی سال کی محنت سے شائع کیا ہے۔ اس ترجمہ کے جستہ جستہ مضامین سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بابل والوں میں خود غرضی و خود پسندی کا رفرما تھی۔ اپنی قوم کے مستحقین کی نفع رسانی کا باقاعدہ انتظام نہ تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں یہ روش عام ہو گئی تھی اور ملک بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جسے اپنی فکر سے اتنی مہلت ملتی کہ اپنے درماندہ بھائیوں کی مشکلیں محسوس کر کے انکی دستگیری کے لیے کسی معقول انتظام کی تحریک کرتا۔ ایسی افسوسناک حالتیں جب کسی قوم میں وسیع ہوئی ہیں تو ان کا ازالہ اسی وقت ہوا ہے جب وہ قوم ہی فنا ہوئی ہے۔ قدرت نے

بابل والوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا اور اسی قانون کے اثر نے آخر اس قوم کو ایسا برباد کیا کہ اس نسل کی تمام یادگاریں ہمیشہ کیلیے معدوم و منقطع ہوگئیں۔

ہندوستان کے غیر آریوں کی یہ حالت نہ تھی۔ ممکن ہے وہ وحشی ہوں، غیر متمدن ہوں، زمانے کے ساتھ چلنے کے اصول سے بے خبر ہوں، اور ان میں اتنا بل بوتا بھی نہو کہ آریوں کی زبردستی کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوتے۔ لیکن ان سب کمزوریوں کے ساتھ ان میں یہ بات تھی کہ آپس میں جسکو حاجت مند دیکھتے اسکی حاجت روائی کی کوئی نہ کوئی تدبیر کرتے۔ بعض حالتوں میں مفید تدبیریں بے قاعدگی کے ساتھ بھی جان بچانے کے لیے کافی ہوجاتی ہیں۔ سردیوں میں تم نے دیکھا ہوگا کہ جنگلوں میں درختوں کے تلے ان وحشی قوموں کے جھونپڑے ہیں، آگ روشن ہے، ایک شخص اٹھتا ہے، حشرات الارض پکڑ لاتا ہے، سب جمع ہوجاتے ہیں، بھونتے ہیں اور مل جل کر کھاتے ہیں۔

ہندوستان ہی میں بمبئی اور سورت کے پیروانِ زرتشت مجوسی بھی تمہارے درمیان رہتے بستے ہیں۔ انکی خوشحالی کا تذکرہ تم نے بارہا کیا ہوگا۔ کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ رستم کا گرز، فریدوں کا درفش کاویانی، کیخسرو کا جام جہاں نما، نوشیروان کا تاج و تخت جس قوم سے چھن گیا ہو اور وہ پردیس میں غربت کی زندگی بسر کر رہی ہو، کیا سبب ہے، کہ اسکی قومیت میں اب تک زوال نہیں آیا؟ اس سوال کا جواب مجوسی قوم کی تنظیم ہے۔ انہوں نے اپنی آبادیوں کے مرکز میں باقاعدہ مجلسیں قائم کر رکھی ہیں جو زمانے کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاتی ہیں۔ ساری قوم ان مجلسوں سے وابستہ ہے۔ ہندوستان کے کسی گوشے میں کوئی مجوسی مفلس ہوگیا ہو انجمن اپنے دفتر معلومات کے ذریعے اس کا پتا لگا کر اسکی بسر اوقات کے لیے فوراً کوئی نہ کوئی انتظام کردیگی۔ غریب خاندانوں کی تعلیم اور بیروزگاروں کی معاش کا سامان اس انجمن کے فرائض میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طرح طرح کے مصائب و حوادث کا مقابلہ کرنے پر بھی یہ قوم زندہ ہے اور زندگی کے تمام آثار اس میں موجود ہیں۔

دنیا کی زندہ و مردہ قوموں کی اگر کوئی تاریخ لکھی جائے اور انکی موت و حیات کے اسباب پر فلسفۂ تاریخ کی روشنی ڈالی جائے تو صاف نظر آئیگا کہ ہر زمانے میں قوموں کی ہستی و نیستی میں اس خاص سبب کا ایک بڑی حد تک دخل رہا ہے۔ اسی نظام کے تحت رہ کر انھوں نے ترقی کی ہے اور پھر اسی نظام کی بربادی ان کے تنزل اور بربادی کا پیش خیمہ بنی ہے۔

اسلام کے قانون اساسی یعنی قرآن کریم نے اس مسئلہ پر کافی توجہ کی اور تصریح کردی کہ اسلام کا جزو اعظم یہ ہے کہ معقول پیرایہ میں حاجت مندوں کی حاجت روائی کی جائے۔ وحی الٰہی نے اسی قاعدے کو اسلام کا اصولی قاعدہ قرار دیا اور علمی زبان میں اس کا نام اصول تعاون رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کی پابندی کی نسبت مسلمانوں کو اتنی تاکید کی ہے کہ بہت کم فرائض کی نسبت ایسے جوش و خروش کے احکام ہونگے۔ ملاحظہ ہو:

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ، وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ، وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ،

جو لوگ اپنے مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں انکی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات خوشے پیدا ہوئے ہر خوشے میں سو دانے، اور اللہ برکت دیتا ہو جس کو چاہتا ہے اور گنجایش والا واقف ہے۔

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَّلَا أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ،

جو لوگ اپنے مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کیے پیچھے احسان نہیں جتلاتے اور نہ ایذا دیتے ہیں ان کو اسکا ثواب ان کے پروردگار کے پاس ملیگا، نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہونگے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى، وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ،

نرمی سے جواب دینا اور درگذر کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جسکے دیئے پیچھے ایذا ہو اور اللہ بے نیاز بردبار ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ، كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا، لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا، وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ،

اے لوگو کہ ایمان لائے، اپنے صدقات کو احسان جتانے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح اکارت نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخر کا یقین نہیں رکھتا۔ اسکی مثال اس چٹان کی سی ہے کہ اس پر مٹی ہو، پھر اس پر برسا زور کا مینہ اور اسکو سپاٹ کر گیا۔ ریاکاروں کو ایسے خرچ سے کچھ بھی ہاتھ نہ لگیگا، اور اللہ ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ، فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔

جو لوگ اللہ کی رضاجوئی کیلیے اور اپنی نیت ثابت رکھ کے اپنے مال خرچ کرتے ہیں انکی مثال ایک باغ کی سی ہے جو بلندی پر ہے، اس پر پڑا زور کا مینہ تو وہ دوچند پھل لایا اور اگر اس پر زور کا مینہ نہ پڑا تو ہلکی پھوار بھی بس کرتی ہے تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ۔

بھلا تم میں کوئی بھی اس بات کو پسند کریگا کہ اسکے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، اسکے تلے نہریں بہہ رہی ہوں، ہر طرح کے پھل اسکو وہاں میسر ہوں، اس حال میں بڑھاپے نے اسکو آلیا اسکے ناتوان بچے ہیں، اب اس باغ پر چلا ایک بگولا جس میں تھی آگ، باغ جل کر رہ گیا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم غور کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن

اے لوگو کہ ایمان لائے، اچھی چیزوں میں سے انفاق

طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ، وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ، وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ،

کرو، جو تم نے کمائی ہوں اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہوں۔ اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ لگو اس میں سے خرچ کرنے حالانکہ وہی چیز کوئی تم کو دینی چاہے تو تم اسکو کبھی خوشدلی سے نہ لو، الا یہ کہ اسکے لینے میں چشم پوشی کر جاؤ۔ جانے رہو کہ اللہ بے نیاز سزاوار حمد ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا، وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا اور شرم کی بات پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اور اللہ اپنی طرف سے معافی اور برکت کا تم سے وعدہ کرتا ہے اور اللہ گنجائش والا، سب کے حال سے آگاہ ہے۔ جسے چاہتا ہے سمجھ دیتا ہے اور جسے سمجھ دی گئی تو بے شک اس نے بڑی دولت پائی اور نصیحت بھی وہی مانتے ہیں جو ذی فہم ہیں۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهُ، وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔

جو خرچ بھی تم کرو یا کوئی منت مانو وہ اللہ کو معلوم ہے۔ اور جو لوگ حق مارتے ہیں کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ، وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

اگر صدقہ ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا اور اگر حاجت مندوں کو چھپا کر دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، ایسا دینا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ، وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمہارے ذمے نہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے۔ تم لوگ مال میں سے

فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۔

جو کچھ بھی خرچ کرو گے تمہارے اپنے لیے بھلا ہے۔ اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ کی رضا کی امید ہی میں کرتے ہو اور تم لوگ مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کر دو گے تمہیں پورا پورا دیدیا جائیگا اور تمہارا حق مارا نہ جائے گا۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْاَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ

صدقہ ان حاجت مندوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے بیٹھے ہیں، ملک میں کسی طرف کو جا نہیں سکتے۔ بے خبر انکی خودداری کی وجہ سے انکو غنی سمجھتا ہے۔ تم انھیں دیکھو تو ان کے چہروں سے صاف پہچان جاؤ۔ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے۔ جو کچھ بھی تم انفاق کرو گے اللہ اسکو جانتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

جو لوگ رات اور دن، چھپے اور ظاہر اپنے مال خرچ کرتے ہیں، ان کے دیئے کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں انھیں ملیگا، نہ ان پر خوف ہوگا نہ وہ آزردہ خاطر ہونگے۔

ان آیات سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ اللہ کی راہ میں دینے کا بہت زیادہ ثواب ہے۔

۲۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے خسارہ میں نہ رہینگے، کئی گونہ زائد بدلہ ملیگا اور وہ خوف و رنج سے محفوظ رہینگے۔

۳۔ اللہ کی راہ میں دے کر احسان جتانا اور حاجت مندوں کو ستانا بہت بُرا ہے۔ اس سے نیکی برباد جاتی ہے۔

۴۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرنا قابل ملامت ہے۔ یہ اپنے کیے پر خود پانی پھیرنا ہے۔

۵- اللہ کی راہ میں بری چیز نہ دینی چاہیے۔

۶- یہ خیال غلط ہے کہ اللہ کی راہ میں دینے سے ہم محتاج ہو جائینگے۔

۷- اللہ کی راہ میں جو کچھ دیا جاتا ہے اللہ کو اس کا علم ہے۔

۸- علانیہ اور پوشیدہ دونوں صورتوں میں دینا درست ہے، مگر چپ چپاتے دینا بہتر ہے۔

۹- اللہ کی راہ میں دینا دینے والے ہی کے لیے مفید ہے۔

۱۰- اس کے مستحق وہ حاجت مند ہیں جو اپنی خودداری کے سبب بظاہر بے نیاز نظر آتے ہوں اور اللہ پر بھروسا کئے بیٹھے ہوں۔

۱۱- صدقہ مانگنے کے لیے لوگوں کے پیچھے پڑنا بہت برا ہے۔

۱۲- بھیک مانگنا ممنوع ہے۔

۱۳- بہترین خیرات وہ ہے جو دن رات ہو، خیر جاری کی طرح اس کا سلسلہ وسیع رہے۔

۱۴- خیر جاری کرنے والوں کو اللہ پورا پورا معاوضہ دیگا اور وہ اچھی طرح خوش کیے جائینگے۔

ان آیات کے ساتھ اگر وہ آیت بھی شامل کرلی جائے جو طرازِ تحریر و عنوان فصل ہے تو اس سے دو نہایت اہم نتیجے نکلتے ہیں:

۱- اللہ کی راہ میں دیتے ہوئے بخل سے کام لینا خود ہمارے لیے موجب نقصان ہے، اللہ کو ہمارے صدقات و خیرات کی احتیاج نہیں، ہمیں اسکے محتاج ہیں، وہ تو بے نیاز ہے، اور اس دینے میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔

۲- اگر ہم نہ دینگے اور اللہ کے حکم سے منہ موڑینگے تو ہم فنا کر دیے جائینگے، اللہ بجائے ہمارے کسی دوسری قوم کو لا بٹھائیگا۔

آخری نتیجے وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم کو پڑھو اور سوچو کہ اصولِ تعاون کا دائرہ

کس قدر وسیع ہے کہ قوم کی موت و حیات اسی پر منحصر ہے - زندہ وہی قوم رہیگی جو اس ضابطے کی پابند ہوگی، ورنہ قانون قدرت اس کو فنا کر دیگا اور کسی دوسری قوم کو اس کا قائم مقام بنا دیگا - اس حالت میں مسلمانوں کو اختیار ہے کہ اپنی زندگی کو ترجیح دیتے ہوں تو حاجت مندوں کی حاجت روائی کا انتظام کریں، ورنہ جو کیفیت اس وقت ہے یہ تادیر رہنے والی نہیں ہے - موت اسکے ساتھ لگی ہے - جس طرح (چار سو برس میں) ہندوستان کی سرزمین تیموریوں کو کھا گئی کہیں مسلمانوں کی قوم ہی اس تباہی و خستگی کی نذر نہ ہو جائے

برلب بحر فنا منتظریم اے ساقی　　　　فرصتے داں کہ ز لب تا بدہاں ایں ہمہ نیست

اسلام نے اصولِ تعاون کو کیونکر ترقی دی

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ، فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ -

اور اللہ نے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اگر تم صلوٰۃ کو قائم رکھتے زکوٰۃ دیتے، ہمارے رسولوں پر ایمان لاتے، اور ان کی مدد کرتے اور خوشدلی سے اللہ کو قرض دیتے رہو گے تو ہم ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دینگے اور ضرور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرینگے جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی - اسکے بعد تم میں سے جو انحراف کریگا وہ پیچ و پیچ سیدھے راستے سے بھٹک گیا -

اسلام کا اصول یہ ہے کہ دنیا کے لیے جو کام مفید ہوتے ہیں اور جن پر دنیا والوں کی کامیابی منحصر ہوتی ہے وہ ان کاموں کی جانب اپنے پیروؤں کو ترغیب سے، ترہیب سے، وعدہ وعید سے، غرض جس طرح بھی مناسب ہوتا ہے، مائل کرتا ہے - جس کام میں نوع انسان کے لیے سب سے زیادہ فائدے مضمر ہوتے ہیں وہ "فرض" قرار پاتا ہے کہ اسکے ذریعے لوگوں کو فلاح ہو، اور جس میں اتنا فائدہ نہیں ہوتا اسکو درجہ بدرجہ سنت، نفل، مستحب

وغیرہ کے مراتب میں جگہ ملتی ہے۔

حاجت مندوں کی ضرورتوں کے رفع کرنے اور ایک منتظم شکل میں اس کام کو چلانے پر مسلمانوں کی جماعت کے قیام کا انحصار تھا اور کوئی ایسی صورت نہ تھی کہ بغیر اس ضابطے کے اسلامی شائستگی دنیا میں سبھلی رہ سکے۔ اسلیے وحی الٰہی نے اسکی اِدامت فرض قرار دی، اور قرآن حکیم کی تعلیمات نے اس فرض پر اتنا زور دیا کہ اس فرض کو نہایت ہی عظیم اہمیت حاصل ہو گئی، اور اس کے لیے ذیل کے احکام مقرر ہوئے:

۱- اللہ کی راہ میں جو کچھ دیا جائے اس کا شرعی نام صدقہ ہے۔ صدقہ کی دو صورتیں ہیں: ایک وہ جو ہر شخص اپنی خواہش اور حیثیت اور معاشی حالت کے مطابق دیتا ہو، اس میں مقدار کی کوئی قید نہیں، جتنا جسکے جی میں آئے خیرات کرے۔ دوسرے وہ جس میں تمام مالدار مسلمان محکوم ہیں کہ اپنی ملت کے فائدے کے لیے سالانہ ایک خاص مقدار میں ٹیکس ادا کرتے رہیں۔ اس ٹیکس کا نام زکاۃ و صدقہ ہے، اور اس پر عملدرآمد یا اس کا ترک کفر و اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔

۲- ہر آسودہ حال مسلمان پر زکاۃ فرض ہے اور جب تک یہ فرض ادا نہ ہو اسکی تمام عبادتیں اور نیکیاں بے سود ہیں۔ شریعت نے آسودگی کا نصاب بھی متعین کر دیا ہے۔

۳- زکاۃ دینے سے مال کا بقیہ حصہ پاک ہو جاتا ہے اور اگر نہ دی جائے تو وہ مال ناپاک محض ہے۔

۴- خیرات و زکاۃ میں دولت کا صرف گویا اللہ کو قرض دینا ہے، اسکی وجہ سے انسان کی بخشائش ہوتی ہے۔

۵- جو اس سے انحراف کرے وہ گمراہ ہے۔

ان احکام کی بنا پر زکاۃ کے لیے ایک خاص نظام تجویز ہوا اور اسکو ایک مخصوص ادارہ سے متعلق کیا گیا۔ اس ادارہ کا نام "بیت المال" تھا اور اس کا باقاعدہ افتتاح تقریباً ۱۵ھ ہجری میں ہوا۔ بیت المال کی بعض قابلِ ذکر خصوصیتیں جن کو ہمارے موضوع بیان سے تعلق ہے یہ تھیں:

۱- بیت المال کا مرکزی ادارہ مدینۂ مبارکہ میں تھا لیکن اسکی شاخیں ممالک مفتوحہ و محروسہ کے ہر ناحیہ اور ہر صدر مقام میں قائم تھیں۔ مسلمانوں کی ہر قسم کی ملی و دینی ضروریات کی کفالت اسی ادارہ سے متعلق تھی۔ مستحقین کے وظائف تھے۔ اشاعت اسلام کا مادّی و اخلاقی دونوں طریقوں سے نہایت وسیع پیمانے پر انتظام تھا۔ اسلامی تہذیب کو قرآن کریم کے معیار پر رکھنے، جائز وسائل سے اس کی اشاعت کرنے اور دنیا کو اسکے زیر سایہ لانے کا بندوبست تھا۔ رفاہِ عام کے تمام کام اسی محکمہ سے انجام پاتے تھے۔ تعلیم بڑی اولوالعزمی کے ساتھ عام طور پر دی جاتی تھی۔ مرد و عورت سب اس سے حکماً مستفید ہوتے تھے، الیٰ غیر ذٰلک۔ صوبوں اور ضلعوں میں بیت المال کی جس قدر شاخیں تھیں ان کا یہ انتظام تھا کہ ان تمام مصارف کے لیے جس قدر مال مقامی ضروریات کے لیے درکار ہوتا رکھ لیا جاتا اور باقی مرکزی ادارہ کو بھیج دیا جاتا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کے والی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ صاف تصریح موجود ہے (کنز العمال، ج ۲، صفحہ ۱۶۳)

۲- تعلیمی آسانیوں کے لیے بیت المال سے مناسب وسائل فراہم تھے۔ اسلام سے قبل عام تعلیم کا سرے سے رواج ہی نہ تھا اور اگر برائے نام کہیں کچھ تھا بھی تو بہت ہی محدود۔ کسی ذی علم کو شوق ہوا اور وقت بھی ملا تو اس نے چند شاگردوں کو پڑھا دیا۔ لیکن چونکہ اس کے لیے کسی معاوضے کا دستور نہ تھا اس لیے اس ایثار نفس کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ اسلام کے زیر سایہ جب عام تعلیم کا بندوبست ہوا تو ساتھ ہی اساتذہ اور افسران تعلیم بھی مقرر ہوئے جنکو بیت المال سے عطائیں ملتی تھیں (سیرۃ العمرین لابن الجوزی)

۳- اسلامی تہذیب و تمدن اور آداب و اخلاق کی بنیاد صرف قرآن حکیم پر تھی اسلیے اسکی تعلیم لازمی و جبری کر دی گئی۔ چند تعلیمی افسر مقرر تھے جن کا کام یہ تھا کہ تمام قبائل میں پھر کے ہر شخص کا امتحان لیں اور جو قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہو اسکو سزا دیں (کتاب الاغانی، ج ۱۶، ص ۵۸)

۴- بیت المال کی آمدنی سے جابجا مکتب اور مدرسے قائم تھے جن میں لکھنے پڑھنے کے ساتھ

شہسواری کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ابو عامر سلیم کی روایت میں مدینۂ مبارکہ کے مکتب کا تذکرہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا (معجم البلدان، مادہ حاضر)

۵۔ عمال کو حکم تھا کہ جو لوگ قرآن حکیم کا درس لیں ان کے لیے بیت المال سے عطا مقرر کر دی جائے (کنز العمال، ج ۱، ص ۲۱۷)

۶۔ زبان کی تعلیم کا بڑا اہتمام تھا۔ ادب و عربیت اور فرائض کی تعلیم بھی لازمی تھی اور ان کے مصارف بیت المال کے ذمے تھے۔ حکم تھا کہ جو کوئی لغت کا عالم نہ ہو قرآن کریم کی تعلیم نہ دینے پائے (کنز العمال، ج ۱، ص ۲۲۸)

۷۔ ممالک محروسہ میں جا بجا بڑے بڑے اکابر مامور تھے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا کریں۔ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود، بصرہ میں معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین، شام میں عبادہ بن صامت و ابو درداء رضی اللہ عنہم حدیث کی تعلیم و روایت کے لیے متعین تھے۔ اور تاکید تھی کہ عوام اس فن میں ان بزرگوں کے علاوہ کسی سے رجوع نہ کرنے پائیں (اسد الغابہ، ترجمہ عبداللہ بن مغفلؓ)

۸۔ چونکہ فقہ پر معاملات و عبادات کی صحت کا مدار ہے اسلیے ہر شہر میں متعدد فقہا اس فن کی تعلیم کے لیے متعین تھے۔ بصرہ میں دس اہل کمال اس فن کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے۔ شام میں عبدالرحمٰن بن غنم و عبادہ و معاذ بن جبل و ابو درداء رضی اللہ عنہم اسکی تعلیم کے ذمہ دار تھے۔ مصر میں حبان بن ابی جبلہ رئیس التعلیم تھے۔ تمام علاقوں میں یہی انتظام تھا۔ وقت کی ضرورت کے مطابق بڑے بڑے ماہران فن افسر تعلیم مقرر تھے، اور اسکے تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔

ان انتظامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں تعلیم عام ہو گئی۔ ہر شہر میں کئی کئی ہزار طالب العلم ایک ایک حلقۂ درس میں زیر تعلیم رہا کرتے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ نماز فجر کے بعد ابو درداء رضی اللہ

عنہ جب حلقۂ درس میں بیٹھتے تھے تو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے والوں کا انکے گرد ہجوم ہوتا تھا۔ ابو درداء نے دس دس طلبہ کی جماعتیں مقرر کر دی تھیں۔ ہر جماعت کا ایک خاص معلم ہوتا تھا۔ خود ٹہلتے جاتے اور سب کی نگرانی کرتے۔ جب کوئی طالب علم پورے قرآن کی تعلیم و تجوید سے فارغ ہو چکتا تو وہ خاص ان کے حلقۂ درس میں داخل ہوتا۔ ایک دفعہ شمار ہوا تو خود ان کے حلقۂ درس میں بیٹھنے والوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو تھی۔ اور ان کے علاوہ بارہ ہزار چار سو طلبہ ان کے زیر نگرانی علوم قرآن کی تعلیم پا رہے تھے۔

عام تعلیم کی یہ کیفیت تھی کہ آٹھ آٹھ برس کے لڑکے قرآن کریم حفظ کر لینے کے ساتھ تفسیر سے بھی مناسبت پیدا کر لیتے تھے۔ گیارہ برس کی عمر میں نحو، ادب، بلاغت، فقہ، حدیث اور علم کلام کی تکمیل ہو جاتی تھی (کتاب الامامہ والسیاسہ، ج ۲، ص ۱۴۱)۔

یعنی اس زمانہ میں جتنے علوم مروج تھے بیت المال سے ان سب کی تعلیم کا انتظام تھا۔ اور بہت ہی کم مدت میں طالب علم فارغ التحصیل ہو جاتے تھے۔ ہر فن کی منتخب کتابیں بہت مختصر تعداد میں پڑھائی جاتی تھیں۔ نصاب تعلیم کی تنقیح پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جاتا تھا۔ کتابوں کی تبدیلی میں یہ رعایت ملحوظ ہوتی تھی کہ سال بسال جس فن میں نئی ترقیاں ہوتی رہیں نصاب تعلیم ان سب پر حاوی ہو۔ اور اسکے لئے ایسے لوگ مامور تھے جو اکثر اوقات یک فنی ہوتے۔

ان تفصیلات سے اہل نظر اندازہ کر سکتے ہیں کہ ابتدائی صدیوں میں اسلامی تمدن کو کن وسائل سے ترقی نصیب ہوئی۔ وہ کونسی طاقت تھی جس نے مسلمانوں کو دنیا کی ثروت و شائستگی کے وارث بننے میں مدد دی تھی، اور امام مالک کے قول العلم والدین توأمان کا کیا فلسفہ تھا اور دنیا پر اس سے کیا اثر پڑا۔

مگرش چشم سیاہ تو شد کار آموز ورنہ مستوری و مستی ہمہ کس نتوانند